شمس الرحمٰن فاروقی بحیثیت نقاد

ڈاکٹر شائستہ حمید خان، اسسٹنٹ پروفیسر، شعبۂ اُردو، جی سی یونیورسٹی، لاہور

ABSTRACT

Shams ur Rehman Farooqi has played a commendable role in the promotion of linguistics, poetry and literature. In this article it is discussed that his language is the language of a critic and he transformed literary discussions into practical criticism.

شمس الرحمٰن فاروقی ایک جیّد نقاد اور ماہر لسانیات ہیں۔ انہوں نے اپنی تنقیدی بصیرت سے نا صرف کلاسیکی ادب اور لسانیات پر نت نئے انکشافات کیے بلکہ شعری، ادبی اور جمالیاتی سطح پر بھی ہمیں نئی راہوں سے روشناس کروایا۔ شمس الرحمٰن فاروقی نے ادبی، لسانی اور عروضی تنقید میں کارنامے انجام دے کر اپنے ہم عصروں کے درمیان امتیازی شان پیدا کی ہے۔ ان کی تنقیدی کتب ''لفظ و معنی''، ''شعر، غیر شعر اور نثر''، ''عروض و آہنگ اور بیان''، ''تنقیدی افکار'' اور ''اثبات و نفی'' ہیں۔ اس کے علاوہ ''اردو کا ابتدائی زمانہ''، ''داستان امیر حمزہ کا مطالعہ''، ''آسمان محراب''، ''لغات روزمرہ''، ''تعبیر کی شرح''، ''شعر شور انگیز''، ''فاروقی کے تبصرے''، ''افسانے کی حمایت میں''، ''تفہیم غالب''، ''How to Read Iqbal'' کے علاوہ ایک رسالہ بھی جاری کیا جو ''شب خون'' کے نام سے کئی سال تک چلتا رہا۔ شمس الرحمٰن فاروقی کے بارے میں احمد محفوظ بحوالہ وہاب اشرفی لکھتے ہیں:

> ''فاروقی پر مولانا روم، عبدالقادر، میر حرجانی بیدل، میر، غالب، حالی، اقبال، مولانا اشرف علی تھانوی، محمد حسن عسکری، میرا جی، آل احمد سرور، کلیم الدین احمد، ن۔م۔راشد، مالک رام کے علاوہ قدیم سنسکرت ماہرینِ شعریات کے اثرات ہیں۔''[۱]

شمس الرحمٰن فاروقی کی کتاب ''لفظ و معنی'' تنقیدی مضامین ہیں۔ کتاب کی پہلی اشاعت میں اشاریہ شامل نہ تھا جبکہ دوسری میں اشاریہ شامل کر دیا گیا۔ اس کتاب میں شمس الرحمٰن فاروقی نے ادب پر تنقیدی نگاہ ڈالی ہے کہ ادب کا موضوع کیا ہونا چاہیے؟ ادب کو کس طرح کا ہونا چاہیے؟ اس کا اسلوب، ہیئت کیا ہونی چاہیے؟ شخصیت سے فرار ممکن نہیں، شعر کی ظاہری ہیئت، اردو وزن و آہنگ کے کچھ مسائل اور شعر کا ابلاغ، مغرب میں جدیدیت کی روایت، ٹی۔ ایس۔ ایلیٹ اور بہت سے مضامین پر تنقیدی خدمات سرانجام دی ہیں۔ شمس الرحمٰن فاروقی نے ایلیٹ کو شاعر اور مصلح کہا ہے کیونکہ سب سے پہلے اس نے اس بات کا احساس دلایا کہ عہد جدید میں اس زبان کا گزارا ممکن نہیں ہے جو وکٹوریائی اور جارجین عہد کے شعرا کی زبان تھی۔ اس نے انگریزی شاعری کی مردہ

ہیئتوں میں پھر سے جان ڈالی۔اس کے محدود دائرے کو وسیع کر کے اس کو ایسے مسائل و مضامین میں دلچسپی لینا سکھایا جو اس سے پہلے شعر کی دسترس سے باہر تھے۔''لفظ و معنی''میں ایلیٹ کے اس خیال کو یوں رقم طراز کیا گیا ہے:

''کبھی کبھی کسی بنے بنائے طرزِ اظہار اور زبان کی موسیقی کے امکانات اور شعر کی زبان اور بول چال کی زبان کی خفیہ اور عیاں رشتوں کو ڈھونڈ نا پڑتا ہے اور کسی کسی عہد میں کام یہ ہوتا ہے کہ روزمرہ کو جو متحرک اور اثر پذیر ہونے کی وجہ سے آگے بڑھتا رہتا ہے، جا پکڑا جائے۔کیونکہ دراصل روزمرہ میں جو تبدیلیاں ہوتی ہیں وہ فکر و احساس اور سوجھ بوجھ میں تبدیلیوں کی آئینہ دار ہوتی ہیں۔''۲

شمس الرحمٰن فاروقی نے ایلیٹ کے اس طرز پر تنقیدی نگاہ ڈالی ہے کہ ایلیٹ نے اپنے شعر کی زبان میں روزمرہ کو شامل کرنے کی کوشش میں اس بات کو ملحوظ خاطر رکھا کہ عام بول چال کا آہنگ ہاتھ سے نہ چھوٹنے پائے۔

''شعر، غیر شعر اور نثر'' شمس الرحمٰن فاروقی کی ایک نادر کتاب ہے جس میں انہوں نے شعر، غیر شعر اور نثر کے تعلق سے بہت سے مسائل پر بحث کی ہے۔فاروقی مضمون کے آغاز میں تنقیدی سوالات اُٹھاتے ہیں۔مثلاً: کیا شاعری کی پہچان ممکن ہے؟ اگر ہاں تو کیا اچھی اور بری شاعری کو الگ الگ پہچاننا ممکن ہے؟ اگر ہاں تو پہچاننے کے یہ طریقے معروضی ہیں یا موضوعی؟ یعنی کیا یہ ممکن ہے کہ کچھ ایسے معیار، ایسی نشانیاں ایسے خواص مقرر کیے جائیں جن کے بارے میں یہ کہا جاسکے کہ اگر یہ کسی تحریر میں موجود ہیں تو وہ اچھی شاعری نہ سہی، شاعری تو ہے۔کیونکہ ہم نثر کو پہچاننا سیکھ لیں تو یہ کہہ سکیں گے کہ جس تحریر میں نثر کی خصوصیات نہ ہوں وہ شاعری ہو گی۔لیکن پھر یہ بھی فرض کرنا پڑے گا کہ شعر اور نثر الگ الگ خواص و خصائص رکھتے ہیں۔محمد سالم اس حوالے سے لکھتے ہیں:

''یوں بھی فاروقی کے معروضی طریق کار میں استدلالی پہلو نمایاں رہتا ہے۔وہ نتائج تک پہنچنے کے لیے جلد بازی سے کام نہیں لیتے بلکہ توضیحی مفروضہ کے توسط سے فکر انگیز گفتگو کرتے ہیں اور دورانِ بحث کئی ضمنی سوالات بھی اُبھر کر سامنے آجاتے ہیں جن پر منطقی انداز میں روشنی ڈالی جاتی ہے۔اس کے علاوہ بہت سی باتوں پر بھی اظہارِ خیال کر کے تشفی کر لی جاتی ہے تاکہ کوئی پہلو باقی نہ رہ جائے۔''۳

شمس الرحمٰن فاروقی شعر میں تفصیل کے اخراج یعنی اجمال کو لازمی عنصر قرار دیتے ہیں۔تخلیقی نثر کے بارے میں ان کا خیال ہے کہ اس میں تشبیہ، استعارہ کے حامل الفاظ کو جدلیاتی کہتے ہیں۔اس طرح فاروقی شاعری کی پہچان کی بابت موزونیت اور اجمال کے ساتھ ساتھ جدلیاتی لفظ یا ابہام یا دونوں کو لازم قرار دیتے ہیں۔فاروقی یہ بھی کہتے ہیں کہ موزوں کلام وہ ہے جس میں اجمال کے ساتھ ساتھ برجستگی، سلاست، روانی بے تکلفی، طنز وغیرہ کے عناصر موجود ہوں جو دراصل نثر کی ملکیت ہیں؛ اس کلام کو خالص شاعری کے خانے میں شمار نہیں کیا جائے گا بلکہ وہ اس کو غیر شعر کہیں گے۔وارث علوی اس ضمن میں لکھتے ہیں:

''فاروقی دراصل دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ کرنا چاہتے ہیں۔گویا انہیں اس بات سے انکار نہیں

ہے کہ شاعری میں نثر کی خصوصیت ہوتی ہے اور ہوسکتی ہیں لیکن انہیں اس بات پر اصرار ہے کہ ان کے
ہونے سے شاعری، شاعری نہیں ہوسکتی اور ان کے نہ ہونے ہی میں شاعری کی عافیت ہے۔''۴

شمس الرحمٰن فاروقی کے مطابق شاعری یا تو شاعری ہوگی یا نہ ہوگی۔ وہ بیک وقت شاعری اور نثر نہیں ہوسکتی۔ ''ادب کے غیر ادبی معیار'' میں وابستگی، ناوابستگی جیسے مسائل پر براہ راست منطقی انداز میں بحث کی گئی ہے۔ اس فکر انگیز مضمون کے ذریعے دراصل فاروقی صاحب نے نظریاتی وابستگی کے بندھے ٹکے اصولوں کو رد کرتے ہوئے تخلیقی ذہن کی انفرادی اور ذہنی آزادی کی اہمیت پر زور دیا ہے۔ ''علامت کی پہچان'' اور ''صاحب ذوق قاری اور شعر کی سمجھ'' جیسے مضامین لکھ کر شمس الرحمٰن فاروقی نے سوالات بھی اٹھائے اور جامعیت اور دلیلوں سے اپنی بات کو بھی ثابت کر دیا ہے۔ اسی طرح ''نظم اور غزل کا امتیاز'' میں بھی انہوں نے منطقی استدلال سے کام لیا ہے۔ وارث علوی لکھتے ہیں:

''وہ اسلوبیات کو تنقید کا واحد یا بہترین طریقہ کار نہیں سمجھ رہے۔ دراصل وہ شعری طلسم کے راز کو
پانے کے لیے مختلف جہات سے دریافت وانکشاف کے عمل کا آغاز کرتے ہیں۔''۵

افسانے کی حمایت میں اور افسانے پر اعتراضات کے حوالے سے بھی شمس الرحمٰن فاروقی نے بہت کچھ لکھا۔ اُن کے خیال میں آج کوئی بھی ادیب ایسا نہیں ہے جو محض افسانہ نگاری کے بل بوتے پر زندہ ہو اور یہ کہ بڑی صنف وہ ہے جو ہمہ وقت تبدیلیوں کی متحمل ہو سکے۔ افسانے میں اتنی جگہ نہیں ہے کہ نئے تجربات ہوسکیں اور افسانہ کسی نہ کسی شکل میں وقت کے چوکھٹے میں بھی قید ہے۔ وارث علوی اس ضمن میں فکشن کی تنقید کا المیہ میں لکھتے ہیں:

''افسانے پر ان کی تنقید غلط بھی ہے اور کینہ پرور بھی۔ انہوں نے جو کچھ لکھا اس میں خلوص نہیں۔
محض اتراہٹ دھونس اور رعونت ہے۔ ان کی شخصیت میں زبردست بناوٹ ہے......وہ افسانے کو
اس طرح ڈانٹتے ہیں جیسے کوئی چاق و چوبند افسر چپڑاسی کو ڈانٹ رہا ہو اور چپڑاسی سہم جاتا ہے۔
اسے کیا خبر کہ افسر کا فکشن کا تجربہ اور فکشن کی تنقید کا مطالعہ سطحی ہے۔''۶

فکشن پر فاروقی صاحب کا دوسرا مضمون ''آج کا مغربی ناول'' جدید نظریات اور تصورات سے بحث کرتا ہے۔ اس مضمون میں منفرد ناولوں کی ہیئت اور تکنیک پر بحث اس حد تک ہے جس حد تک وہ کسی تصور کی توضیح کے لیے ضروری ہے۔ ''جدید ادب کا تنہا آدمی'' ایسا مضمون ہے جس میں نکتہ چیں نقادوں کے دوہرے معیار کو سامنے لایا گیا ہے۔ ''افسانے کی حمایت میں'' کے حوالے سے انٹرویو دیتے ہوئے شمس الرحمٰن فاروقی کہتے ہیں:

''دو باتیں ہیں جو لوگوں کو بہت تکلیف دہ لگی ہوں گی، اس کتاب میں۔ ایک تو یہ کہ ہمارے ہاں افسانے
کو خاص کر شارٹ اسٹوری کو غیر معمولی اہمیت کا حامل قرار دیتے ہیں۔ بوجوہ اور یہ کہا گیا کہ صاحب یہ
بہت بڑا آرٹ فارم ہے اور میں نے اس سے انکار کیا۔ دوسری بات یہ کہ ہمارے یہاں افسانے کی یا

فکشن کی Social Relevence کے بارے میں جو ایک غلط فہمی سی پائی جاتی ہے اس کو میں نے
تھوڑا بہت پس پشت ڈالنے کی کوشش کی اور میں نے افسانے کی Poetics یا وہ بنیادی اصول جن
کی روشنی میں افسانہ، افسانہ بنتا ہے اور افسانہ معنی خیز بنتا ہے ان سے بحث کرنے کی کوشش کی۔''ے

ن۔م۔راشد کی شاعری پر فاروقی صاحب کا مضمون انتہائی وقیع اور بصیرت افروز ہے۔لیکن اس میں انہوں نے راشد کے سماجی، سیاسی، مذہبی اور عشقیہ رویے کی بات کی، نہ ان کی انسان دوستی، استعمار اور احتجاج پر گفتگو کی اور نہ ان کے پرشکوہ مفکرانہ اور خطیبانہ لہجے پر روشنی ڈالی، بلکہ ان کے منفرد اسلوب اور آہنگ کے بارے میں ایک نئے زاویۂ نظر سے بحث کر کے اپنی گہری تنقیدی بصیرت کا ثبوت فراہم کیا ہے۔

شمس الرحمٰن فاروقی نے تبصرہ نگاری کو عملی تنقید کی اعلیٰ صورت دی۔اس ضمن میں ان کا ایک مضمون ''تبصرہ نگاری کا فن'' بہت اہم ہے۔اس مضمون میں انہوں نے اخلاقی، مکتبی اور علمی پہلوؤں سے تبصرہ پر سوال بھی اٹھائے۔مثلاً: اخلاقی پہلو سے اس طرح کے سوال سامنے آئے کہ تبصرہ میں غیر جانبداری کی کیا حیثیت ہے؟ تبصرہ نگار کو کتاب سے کتنی واقفیت ہونی چاہیے؟ اس کے علاوہ یہ کہ تبصرہ فن ہے یا منطق ہے؟ شمس الرحمٰن فاروقی کہتے ہیں کہ ہمارے ادیب عموماً اپنی پسند کا تبصرہ ہی دیکھنا چاہتے ہیں اور یہ رویے خود اعتمادی اور فنی ایمانداری کے فقدان کی دلیل ہے۔انہوں نے اس رویے پر افسوس کا اظہار کیا ہے کہ تقریظ، دیباچہ اور تبصرہ ایک ہی قسم کی چیز سمجھی جاتی ہے۔یعنی ان تینوں میں بہت کم فرق کیا جاتا ہے جو کہ غلط ہے۔اس کے ساتھ ساتھ وہ جدیدیت کو آزادئ رائے سے منسوب کرتے ہیں۔ان کے خیال میں جدیدیت کا مطلب ہے ادب پر غیر ادبی معیاروں کی حاکمیت سے انکار۔جدیدیت عبارت ہے آزادئ رائے اور آزادئ اظہار کی توثیق و تصدیق سے۔جدیدیت کا کہنا ہے کہ ادب کو نظریوں، عقیدوں اور فلسفوں کا محکوم نہ ہونا چاہیے۔

شمس الرحمٰن فاروقی نے نئی شاعری کے بارے میں بھی بہت کچھ لکھا۔وہ سوال کرتے ہیں کہ نئی شاعری میں ابلاغ اور اظہار کو ایک مسئلے کی صورت میں کیوں پیش کیا جاتا ہے؟ ایک بات تو یہ ہے کہ شعری خیال مکمل ابلاغ کا متحمل نہیں ہوسکتا دوسرے تمام بڑے شاعروں کے ہاں مکمل ابلاغ ملتا بھی نہیں۔اگر مکمل ابلاغ ملتا ہوتو ہر محقق، ہر زمانہ ان کی مختلف تاویلیں نہیں کرتا۔ڈاکٹر ممتاز الحق اس ضمن میں لکھتے ہیں:

''شمس الرحمٰن فاروقی شاعری کے خارجی مقاصد سے انکار کرتے ہیں ان کا خیال ہے کہ نیا شاعر
رائے زنی تو کرتا ہے مگر کسی خارجی دباؤ سے یا کسی مفاد یا دشمنی کے لیے نہیں بلکہ یہ اس کی اپنی
شخصیت اور خارجی دنیا کے ٹکراؤ کا نتیجہ ہوتا ہے۔''۸

شمس الرحمٰن فاروقی کے بقول نئی شاعری میں انتشار کی کیفیت بھی پائی جاتی ہے اور ظاہر ہے کہ اضطرابی کیفیت میں اسلوب پر قابو نہیں رہ سکتا اور شعر میں فکر وجذبہ کا توازن قائم رکھنا بھی ممکن نہیں۔زبان کی شیرینی اور لطافت، روانی، سلاست وغیرہ کا برتنا بھی مشکل ہوتا ہے۔

''شعر شور انگیز'' شمس الرحمٰن فاروقی کا ایک اہم کام ہے۔ پھر ''لغاتِ روزمرہ'' کے عنوان سے ایک کتاب لکھی یہ کتاب اردو میں زبان کے غیر معیاری استعمالات کی فہرست اور تنقید پر مبنی ہے۔ اردو زبان کس طرح کے مسائل سے دوچار ہے۔ ان میں سے ایک مسئلہ دوسری زبانوں کے دباؤ کا ہے۔ اردو تحریر و تقریر میں انگریزی، ہندی اور دیگر زبانوں کے الفاظ استعمال کیے جا رہے ہیں۔ اس سے یہ ہوا کہ اکثر اوقات غیر ضروری الفاظ زبان کا خاصا بن گئے اور جو درحقیقت زبان کا خاصا تھے وہ الفاظ پس پشت ڈال دیے گئے۔ اس کتاب کے بارے میں ڈاکٹر خلیق انجم پیش لفظ مشمولا ''لغات روزمرہ'' میں لکھتے ہیں:

''شمس الرحمٰن فاروقی کی یہ کتاب وقت کو پورا کرنے کی طرف ایک اہم قدم ہے۔ فاروقی صاحب نے اپنے مخصوص طرز کو کام میں لاتے ہوئے الفاظ و کلمات کی ایک بڑی تعداد کو علم، شعور، زبان اور منطقی مشاہدے کی روشنی میں دیکھا ہے۔''[9]

اس کتاب میں ناپسندیدہ الفاظ، فقروں اور لسانی اختراعات کے بارے میں بحث کی گئی ہے جو لکھنے اور بولنے والوں کے غیر ذمہ دارانہ رویے کی وجہ سے ہماری زبان میں در انداز ہو رہے ہیں۔ زبان کے بارے میں شمس الرحمٰن فاروقی لکھتے ہیں:

''زبان ہی ایسی شے ہے جو بیک وقت ماضی اور حال میں موجود رہتی ہے اور اپنی دونوں حیثیتوں میں ہم پر اثر انداز ہوتی ہے۔''[10]

شمس الرحمٰن فاروقی نے ایک ادبی رسالہ ''شب خون'' کی ادارت بھی کی اور اس میں وہ مختلف کتابوں، مضامین پر بھی تنقید کا کام جاری رکھے ہوئے تھے۔ مثلاً داستانِ امیر حمزہ، تعبیر کی شرح، جدیدیت پر تنقیدی مضامین لکھے۔

اس ساری بحث کو سمیٹتے ہوئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ ہندوستان میں ادب کا مطالعہ تہذیبی اقدار اور ثقافتی حوالوں سے کرنے کے رجحان کے اہم علمبرداروں میں شمس الرحمٰن فاروقی کا نام سرفہرست ہے۔ آزادیٔ ہند کے بعد ابھرنے والے اہم بھارتی نقادوں میں ان کا انداز مشرقی ہے۔ اس کے باوجود کہ ان کا مغربی ادب کا مطالعہ بہت گہرا ہے۔ شمس الرحمٰن فاروقی نے نظری اور عملی تنقید میں ذاتی رائے کو مستحکم انداز میں منعکس کیا اور معروضی انداز میں مختلف اصناف کی نظریہ سازی بھی کی۔ اُن کی تنقید مصلحت کوشی سے بے نیاز ہے۔

نئی شاعری اور نئے افسانے کے حوالے سے انہوں نے بہت کچھ لکھا ہے۔ شمس الرحمٰن فاروقی نے تبصرہ نگاری کو عملی تنقید کی اعلیٰ صورت دی۔ اس کے علاوہ میر اور غالب کی شرحیں لکھیں ''شعر شور انگیز'' اور ''تفہیم غالب'' کے نام سے۔ اس کے ساتھ ساتھ عروض اور آہنگ کے مسائل پر روشنی بھی ڈالی۔ ان کی زبان تنقید کی زبان ہے اور کسی بھی موضوع پر متوازن انداز میں ہر ممکن پہلو پر مفکرانہ بحث کرتے ہوئے نئے نتائج پر پہنچتے ہیں۔ وہ ایک رجحان ساز نقاد ہے۔

حوالہ جات:

۱۔ وہاب اشرفی،تاریخ ادب اُردو، (ابتدا سے ۲۰۰۰ء تک) ،(دہلی:ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس،س ن)،ص:۱۰۸۸
۲۔ شمس الرحمٰن فاروقی،لفظ ومعنی،(تنقیدی مضامین)،جلددوم،(الہ آباد:پبلشنگ شہزاد،۲۰۰۹ء)،ص:۱۶۱
۳۔ محمد سالم،شمس الرحمن فاروقی، شعر، غیر شعر اور نثر کی روشنی میں ،(نئی دہلی:معیار پبلی کیشنز،۱۹۹۴ء)،ص:۱۲
۴۔ وارث علوی،ادب کا غیر اہم آدمی ،(نئی دہلی:موڈرن پبلشنگ ہاؤس،۲۰۰۱ء)،ص:۵۶
۵۔ ایضاً،ص:۲۷
۶۔ وارث علوی،فکشن کی تنقید کا المیہ،(کراچی:سٹی پریس بک شاپ،۲۰۰۰ء)،ص:۱۹
۷۔ آصف فرخی،حرف من و تو، عہد حاضر کے اہم ادیبوں کے انٹرویو،(کراچی:نفیس اکیڈمی،۱۹۸۹ء)،ص:۳۵۹
۸۔ ممتاز الحق،ڈاکٹر،جدید غزل کا فنی سیاسی و سماجی مطالعہ،(دہلی:ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس،۲۰۰۴ء)،ص:۲۰
۹۔ خلیق انجم،ڈاکٹر،پیش لفظ،مشمولہ:لغاتِ روز مرہ از شمس الرحمن فاروقی ،(کراچی:سٹی پریس بک شاپ،طبع دوم،۲۰۰۳ء)،ص:۱۹
۱۰۔ ایضاً،ص:۱۱

مآخذ:

۱۔ خلیق انجم،ڈاکٹر،پیش لفظ ،مشمولہ:لغاتِ روز مرہ از شمس الرحمن فاروقی ،کراچی:سٹی پریس بک شاپ،طبع دوم،۲۰۰۳ء۔
۲۔ شمس الرحمٰن فاروقی،لفظ ومعنی،(تنقیدی مضامین)،جلددوم،الہ آباد:پبلشنگ شہزاد،۲۰۰۹ء۔
۳۔ محمد سالم،شمس الرحمن فاروقی، شعر، غیر شعر اور نثر کی روشنی میں ،نئی دہلی:معیار پبلی کیشنز،۱۹۹۴ء۔
۴۔ ممتاز الحق،ڈاکٹر،جدید غزل کا فنی سیاسی و سماجی مطالعہ،دہلی:ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس،۲۰۰۴ء۔
۵۔ وارث علوی،ادب کا غیر اہم آدمی ،نئی دہلی:موڈرن پبلشنگ ہاؤس،۲۰۰۱ء۔
۶۔ وارث علوی،فکشن کی تنقید کا المیہ،کراچی:سٹی پریس بک شاپ،۲۰۰۰ء۔
۷۔ وہاب اشرفی،تاریخ ادب اُردو، (ابتدا سے ۲۰۰۰ء تک)،دہلی:ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس،س ن۔
۸۔ آصف فرخی،حرف من و تو، عہد حاضر کے اہم ادیبوں کے انٹرویو،کراچی:نفیس اکیڈمی،۱۹۸۹ء۔